مجھے ان امور کی طرف بھی اشارہ کرنا پڑا، جن کا تعلق فوری امور اور عبوری دور سے ہے۔ اصل منزل اور ہدف اور ابتدائی اور عبوری معاملات میں فرق عقل و تجربے کا بھی تقاضا ہے اور اللہ کا دین بھی زندگی کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھتا ہے اور شریعت کی تطبیق میں حکمت اور تدریج کو نظرانداز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود حالیہ تجربات کو جو ابھی مکمل طور پر اسلامی بنک کاری کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے ہیں اور زیادہ سے زیادہ قانونی سود سے پاک معاملات کی طرف ایک اولیں اور ابتدائی قدم کی حیثیت رکھتے ہیں، میں ایک مثبت اقدام تصور کرتا ہوں، نیز ضروری تنقید کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں اور ان کو اگلے قدم اٹھانے کی ترغیب دیتا ہوں۔ اس طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ بنک کسی خلا میں کام نہیں کر رہے۔ انھیں روایتی بنکوں سے سو طرح کے معاملات کرنا پڑ رہے ہیں اور اس میں ان کی کوشش یہ ہے کہ روایتی بنکوں سے بھی چند مشترک اصولوں اور ضابطوں کے مطابق معاملہ کریں--- یعنی ایسے اصول اور ضابطے جو دونوں کے لیے قابل قبول ہوں، حالانکہ روایتی بنک کاری کا باقی کام سود اور حرام پر مبنی ہے۔ زیرگفتگو مضمون میں بھی میں نے اس سلسلے میں تین اہم نکات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) روایتی بنک کاری میں بھی کچھ معاملات ایسے ہیں جو مبنی برسود نہیں، مثلاً صنعت میں بلاواسطہ شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری جس کی بہت واضح روایت جرمنی اور فرانس میں موجود رہی ہے اور جس کے ذریعے جرمنی کی Rhine Valley کی صنعت کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا گیا یا آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک (جو خالص سودی قرض دیتے ہیں) کے مقابلے میں آئی ایف سی جو صنعت میں حصہ داری کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح روایتی بنکوں کی وہ سرگرمیاں ہیں جو سرمایہ کاری بنک کاری سے متعلق ہوں اور مبنی برسود نہ ہوں۔ یہ ایک ایسا میدان ہے جس میں تعاون ہو سکتا ہے۔ یہ حسنہ اور سیئہ کو خلط ملط کرنے کے مترادف نہیں ہے بلکہ سیئہ سے بچتے ہوئے حسنہ کی حد تک تعاون کی راہیں تلاش کرنے کی ایک سعی ہے۔

(۲) روایتی بنک بہت سی ایسی خدمات انجام دیتے ہیں جو عالمی تجارت اور سرمایہ کاری کے لیے بے حد ضروری ہیں لیکن ان میں بلاواسطہ سود کا کوئی دخل نہیں۔ ان میں بین الاقوامی تجارت کے لیے کرنسیوں کا تبادلہ، زر کی ترسیل، انشورنس، دستاویزات کی تیاری، قانونی رہنمائی، تجارتی روابط اور تعلقات میں معاونت وغیرہ شامل ہیں۔ ان خدمات کا وہ معاوضہ بھی لیتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں ہر جگہ اسلامی بنک موجود نہیں اس لیے اسلامی بنکوں کو روایتی بنکوں سے ان تمام معاملات میں تعاون حاصل کرنا ہو گا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ تعاون کا ایک ایسا میدان ہے جس میں سیئہ سے دامن بچا کر مسلمان تاجر، بنک کار اور ملک اپنی حقیقی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔

(۳) بنکوں کے علاوہ بہت سے مالیاتی ادارے اور تنظیمات آج دنیا میں عالمی معیشت کے فروغ میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں جو شراکت' لیزنگ یا دوسری ایسی صورتوں میں معاشی معاملات کر رہے ہیں جو شریعت سے متصادم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں unit trusts اور investment house خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان تمام اداروں سے ایسا تعاون ممکن ہے جس کے نتیجے میں مسلمان ممالک اور خود مغربی ممالک بھی حقیقی معاشی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح اب یورپ اور امریکہ کے چند چوٹی کے بنک' مثلاً سٹی بنک' یونین بنک' سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے بعض بنک اور متعدد مرچنٹ بنک سرمایہ کاری کی ایسی basket بازار میں لا رہے ہیں جو سود سے پاک ہے۔ گزشتہ دس سال میں اس سلسلے میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ بلاشبہ ان بنکوں کا مقصد ہمارے مقاصد کے مقابلے میں مختلف ہے اور صرف ایک نفع آور موقع سے فائدہ اٹھانا بلکہ اسلامی بنک کاری کی مارکیٹ میں اپنا حصہ لینا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک جائز میدان میں تعاون پیدا کرنے کا ذریعہ بن رہا ہے اور اس سے صرف نظر کرنا دانش مندی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے میدان ہیں جہاں میں تعاون اور اشتراکیت کی بات کر رہا ہوں تاکہ روئے زمین سے ظلم اور استحصال کا خاتمہ ہو سکے' غربت دور ہو' اور معاشی اور سماجی فلاح کو فروغ ہو۔ میرے تصور کے روشن مستقبل کا تعلق سودی سرمایہ داری کے مقابلے میں ان اور دوسری متبادل صورتوں کے ذریعے ترقی اور فلاح کی راہوں کی تلاش سے ہے اور میں صرف ان میدانوں میں اور ان اصولوں کی روشنی میں جن پر ہمارا معاشی نظام مبنی ہے' معاونت اور باہمی مدد کا قائل ہوں' مطلقاً ہر میدان میں اور خصوصیت سے سودی بنیاد کو مستحکم کرنے اور فروغ دینے والے معاملات میں تعاون کا کوئی تصور نہیں رکھتا۔

اصل مضمون انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا جو پہلے بحرین میں ایک عالمی کانفرنس میں اکتوبر ۱۹۹۶ میں پیش کیا گیا جس میں اسلامی بنک کار اور مسلمان ماہرین معاشیات کے علاوہ مغربی بنک کار اور ماہرین معاشیات بھی موجود تھے۔ مضمون پر خاصا طویل بحث و مباحثہ رہا۔ پھر ضروری نظرثانی اور چند اضافوں کے ساتھ ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس کی کانفرنس (جنوری ۹۷' کراچی) میں پیش کیا گیا۔ اس میں اپنے لوگوں سے گفتگو کے ساتھ ساتھ بیرونی اداروں اور غیر مسلم اہل علم سے بھی مکالمہ پیش نظر تھا۔ اس لیے اختلاف کے پہلوؤں کے ساتھ ان دائروں کی نشاندہی بھی کی گئی جہاں اصولوں پر سمجھوتے کے بغیر تعاون ممکن ہے۔ میری معروضات کا تعلق انھی مشترک امور سے ہے اور اس کو میں صحت مند مقابلے اور تعاون کا میدان سمجھتا ہوں۔ میرے تصور میں ایسا تعاون نہیں جو اپنے اصولوں کو قربان کر کے وجود میں آتا ہو' میں تو اس کا قائل ہوں کہ ؎

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

(۲)

اقبال اور سیکولر دانش ور

وحید الدین سلیم

"کتاب نما" (مئی ۹۷) میں "اقبال ایک مسلم سیاسی مفکر" پر مختصر مگر جامع تبصرے میں رفیع الدین ہاشمی نے مشیر الحق کے افکار پریشاں پر خوب گرفت کی ہے۔ باوجود اس کے' چند مقامات قابل توجہ رہ گئے ہیں۔ خطبات: "تشکیل جدید الٰہیات اسلام" کے متعلق ایک مدت دراز سے علمائے قدیم و جدید کے درمیان بحث و گفتگو کا جو سلسلہ چلا ہے' اس میں ابھی تک یکسوئی پیدا نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ خطبات پر نقد و تبصرے سے پہلے ان پر درج پیش لفظ کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ اقبال کی یہ مختصر سی نگارش بھی لفظ و معنی کے لحاظ سے بہت بلیغ و خیال افروز ہے۔

جو دانش ور آج کل "خطبات اقبال" کو ایک فیصلہ کن درجہ دینے لگے ہیں اس کی ایک وجہ اقبال کا اجتہاد پر زور ہے۔ مشیر الحق ایسے لوگ دین و شریعت میں تبدیلی کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ملت اسلامیہ سے راست ایسا مطالبہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کے لیے اقبال کو ڈھال بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اقبال نے ایسے ہی بے توفیق لوگوں کے لیے کہا تھا کہ ۔

خود بدلتے نہیں' قرآں کو بدل دیتے ہیں

اقبال جہاں اسلامی قانون کے فریم میں اجتہاد پر زور دیتے ہیں وہاں نفاذ شریعت بھی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے انھوں نے ایک علیحدہ مملکت کا تصور ہی اس بنا پر پیش کیا تھا کہ اس قطعہ ارض پر شریعت محمدیؐ کو نافذ کیا جا سکے۔ اقبالؒ نے اپنے خطبات کے ذریعے خود مسلمانوں کو اور ان کے واسطے سے ساری دنیا کو خیالات کے خارزار سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس تناظر میں خطبات کے متعلق عہد جدید کے عظیم اسلامی مفکر' مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی یہ رائے ہمارے زاویہ نظر کو درست کر دیتی ہے۔ مولانا رقم طراز ہیں: "یہ خطبات ایک ایسے زمانے میں تحریر کیے گئے تھے جب کہ اسلامی فکر و نظر اور دستور حیات پر مغرب کی یلغار نے دنیائے اسلام میں بڑی انقلاب انگیز شکل اختیار کر لی تھی اور اس پر ایک ہلچل برپا تھی۔ اس وقت جو ابتدائی کوششیں اسلامی عقیدے اور نظام فکر و عمل کو از سرنو مرتب کرنے کے لیے کی گئیں' ان میں علامہ مرحوم کے ان خطبات کا بڑا اہم مقام ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ یہ ترتیب جدید بالکلیہ درست تھی۔ اس میں وقت کے حالات کا اثر بھی پایا جاتا ہے اور بعض مسائل کے بیان میں بھی خامیاں ہیں۔ اس لیے اگر کوئی اسے فکر اسلام کی ترتیب نو کے معاملے میں حرف آخر سمجھے تو غلط ہو گا۔

البتہ اس طرز خاص کے لٹریچر میں مقدمہ الجیش کی حیثیت سے اس کی قدر ناقابل انکار ہے"۔

ہاشمی صاحب نے اپنے تبصرے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ: "علامہ اقبال اسلام کی نشوونما کے لیے اجتہاد کو ضروری سمجھتے تھے"۔ (ص ۷۸) ہماری رائے میں یہاں "اسلامی ذہن کو متحرک رکھنے" یا "فکر اسلامی کے فروغ و پیش قدمی کے لیے" لکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ اقبال، شاعر، فلسفی و مفکر، سیاست دان اور ایک داعی حق کی حیثیت سے تاریخ امت ہی نہیں بلکہ تاریخ علم و دانش کا روشن باب ہیں۔ اقبال اپنے علم و فکر و اخلاص کی طاقت سے دنیا کو متاثر کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے تھے اور آج بھی ان کی شاعری، تاثر کا جادو جگا رہی ہے۔ اقبال کی عملی زندگی کے نقوش برصغیر ہی پر نہیں، عالمی مسائل پر بھی صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے اندر ایسی مقناطیسیت تھی کہ ایک جانب مولانا ابوالاعلیٰؒ ایسی جلیل القدر شخصیت کو دکن سے کھینچ کر پنجاب پہنچا دیا تو دوسری طرف محمد علی جناحؒ ایسی عظیم ہستی کو تاریخ ساز کردار ادا کرنے پر اکسایا۔ ہندستان میں ایک مسلم مملکت کے خواب کی تعبیر کچھ آسان نہ تھی۔ اس محاذ پر انگریز اور برہمن سیاست دانوں سے بہ یک وقت ٹکر تھی۔ ایسے میں جب علمائے ہند کے ایک گروہ کی طرف سے وطنیت کے سہارے، مزاحمت کی گئی تو اقبال نے اس پر اپنی شاعری کے ذریعے ضرب لگائی۔

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اب اگر اقبال کے خلاف دو سو کتابیں بھی لکھی جائیں تو ان کے مقام کو متاثر نہیں کیا جا سکے گا۔ اقبال عملی سیاست داں کی حیثیت سے جاہلی افکار و اعمال کی وسعت و پھیلاؤ سے کبھی ہراساں نہیں ہوئے۔ انھیں یقین کامل تھا کہ دنیا کے مستقبل پر اسلام کی گرفت ہو گی اور یہ قانون اسلامی کی تحریکیت کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لیے اقبال نے اسلامی قانون کے مسائل پر تخلیقی نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ آج اسلام کے آفاقی پیغام کی چھاپ زندگی کے تمام مظاہر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس طرح اقبالؒ "شکست کی آواز" نہیں بلکہ فتح مبیں کی صدا ہیں۔

تبصرہ نگار اختتام پر لکھتے ہیں: "اس کتاب سے علامہ اقبال اور پاکستان کے بارے میں معاصر بھارتی مسلم دانش وروں کا ذہن سمجھنے میں مدد ملتی ہے"۔ یہ رائے سراسر غلط ہے۔ مشیر الحق مرحوم اور اس قسم کے دیگر دانش وروں کی طرح اپنی تجدد پسندی کے سبب امت مسلمہ ہند میں ہمیشہ ہدف ملامت رہے ہیں۔ مشیر الحق اور ان جیسے چند بگڑے ہوئے دانش وروں کو کسی طرح بھی ہندستانی مسلمانوں کا ترجمان نہیں کہا جا سکتا۔